Date of Publication: 23-02-2013 PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 24-25 Feb. 2013
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

1-7 March 2013 | یکم تا ۷؍ مارچ ۲۰۱۳ء

Issue: 9, Vol.:72 | شمارہ نمبر: ۹، جلد نمبر: ۷۲

کیا نقاد ادب کا غیر اہم آدمی ہے؟

(پہلی قسط)

وارث علوی (سیّد واڑہ، استوڈیا، احمد آباد 380002)

اردو کے ممتاز محقق اور نقاد جناب وارث علوی کا یہ مضمون اُن کی مشہور کتاب "ادب کا غیر اہم آدمی" (ناشر موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۱ء) کے ص ص ۹ تا ۴۳ پر مشتمل ہے۔ چوں کہ مضمون بہت اہم ہے، اس لیے اسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

ایک نظر سے دیکھیے تو ابھی بھی ہمارا معاشرہ لوک کچر یا لوک سنسکرتی کی منزل سے آگے نہیں بڑھا۔ ادب کا مطلب ہے، تخلیق جو تحریر میں آئے، لیکن ابھی بھی ہمارے یہاں ان پڑھ لوگوں کی تعداد پچاس کروڑ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اردو زبان ہندستانی زبانوں میں چوتھے نمبر پر آتی ہے اور اس کے بولنے والوں کی تعداد دو یا تین کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔ لیکن اردو کتاب ہمارے یہاں پانچ سو سے زیادہ نہیں چھپتی اور سو سے زیادہ نہیں بکتی۔ ہمارا معاشرہ کتابیں پڑھنے والے لوگوں کا معاشرہ نہیں ہے۔ مغرب میں تعلیم سو فیصد ہو گئی ہے اور کتابیں پڑھنے والا طبقہ ۸ فیصد ہے۔

ایک معنی میں تو مشاعرے کی روایت Oral Literature کی روایت ہی ہے۔ لفظ جب بولا یا گایا جاتا ہے تو اس میں گرد و پیش کی پوری فضا کا رس کس شامل ہو جاتا ہے۔

مشاعرے میں شعر اچھے لگتے ہیں کیوں کہ جگمگاتی رات ہوتی ہے، پروائیاں چلتی ہیں اور شاعر کا دلکش ترنم ہر شعر میں رس گھولتا ہے۔ جن شعروں پر آپ نے رات اچھل اچھل کر داد دی ہے انھیں دوسرے روز تحریری شکل میں پڑھیے، بے جان نظر آئیں گے۔

بھجن کیرتن، کیرول، نعت اور حمد کو بھی اسی لیے شاعری کے پیمانوں پر پرکھا نہیں جاتا کہ ان میں شاعری کے علاوہ سنگیت، عبادت خانوں کی مقدس فضا اور سامعین کی عقیدت مندی بھی شامل ہو جاتی ہے۔

وعظ، کتھا اور تقریر کا بھی یہی عالم ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جہالت اور ضعیف الاعتقادی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہمارے یہاں مہاتماؤں اور مولویوں کا چلن بھی اسی وجہ سے ہے کہ ہمارا معاشرہ کتابوں سے زیادہ کانوں پر بھروسا کرتا ہے۔ ایک اچھے مقرر کی تقریر میں زبان کی روانی، انداز بیان کی شگفتگی، خطابت کی دل کشی، مقرر کی شخصیت کا جادو، اس کی خوب صورت آواز کی طلسمی کیفیت اور اگر جلسہ مذہبی ہو تو لوبان اور اگربتی کی خوشبو، شلوکوں اور آیتوں کی قرأت، نعرہ ہائے تحسین و آفرین، ہو حق کی صدائیں اور عقیدت مندانہ جذبات کی فضا بندی کے لیے بیچ بیچ میں بھجن منڈلیوں کی جھنجھری ہوتی تانیں — یہ سب مل کر تقریر کو ایک غیر ارضی اور آسمانی تجربے میں بدل دیتے ہیں۔ سامعین وجد اور کیف کے عالم میں لفظوں کے سیلاب میں بہتے چلے جاتے ہیں۔ سننے والوں کا پورا تجربہ جذباتی، وجدانی اور جمالیاتی ہوتا ہے، لفظ کا جادو لفظ کے معنی پر غالب آتا ہے اور سننے والا فکر و فلسفہ اور عقل، شعور سے کام لینے کی بجائے آواز کے زیر و بم، لفظوں کی نغمگی اور خطابت کی لذت میں گم ہو جاتا ہے۔

تحریری لفظ تقریری لفظ کے برعکس دعوت فکر و نظر دیتا ہے۔ آدمی لکھے ہوئے لفظوں پر ٹھہر سکتا ہے۔ جو بات کہی گئی ہے اس پر غور و فکر کر سکتا ہے۔ لفظی اور معنوی تعلیقات کا تجزیہ کر سکتا ہے۔ اپنی فکر، اپنے شعور، اپنی عقل کو حرکت میں لا سکتا ہے۔ چناں چہ کتاب کا

دورِ حاضر میں دارا شکوہ کی معنویت

(انجمن ترقی اردو [ہند] کا سہ لسانی [اردو، ہندی، انگریزی] بین الاقوامی سمینار)

مغل شہنشاہ شاہجہاں کا سب سے بڑا شاہزادہ دارا شکوہ اپنے وطن ہندستان کو دل سے چاہنے والا اور فکری سطح پر اسلام اور ہندومت میں مشترک عناصر پر مشتمل ومنی ہندستانی تہذیب کا خواب دیکھنے والا تھا۔ اگر یہ دونوں مذہب سمندر ہیں تو اس نے ان دونوں سمندروں کے انوٹ میل 'مجمع البحرین' کا خواب دیکھا تھا۔ وہ سیاسی لڑائی ہار گیا وہ بھی اپنے بھائی اورنگ زیب سے۔ اگر وہ جیت جاتا تو کیا ہندستانی تاریخ کا بہاؤ کچھ مختلف ہوتا؟ اس سے زیادہ یہ کہ آج اکیسویں صدی میں دارا شکوہ کے افکار کی کیا معنویت ہے، نہ صرف ہندستان میں بلکہ پوری دنیا کے سماجی اور سیاسی پس منظر میں؟ یہ اور ایسے ہی اہم سوال ہیں جن پر تبادلۂ خیال کے لیے انجمن ترقی اردو (ہند) نے ایک بین الاقوامی سمینار کے انعقاد کا اہتمام کیا ہے۔ اس سمینار میں عالمی سطح کے دانش وروں کو اردو ہندی یا انگریزی میں مقالات پیش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ سمینار کا آغاز پروفیسر عرفان حبیب کے کلیدی خطبے کے ساتھ ہوگا۔ دیگر شرکا میں مہاتما گاندھی کے پوتے اور دارا شکوہ پر معروف ڈرامے کے مصنف گوپال کرشن گاندھی، پروفیسر ہربنس مکھیا، پروفیسر عشرت عالم، پروفیسر شیجر پانڈے، پروفیسر نعیم الرحمٰن فاروقی، پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی اور دیگر دانش ور شامل ہیں۔

مقام: اردو گھر، 212-راؤز ایونیو، نئی دہلی، **تاریخ:** 22 تا 24 مارچ 2013

نوٹ: سمینار سے متعلق مزید ضروری معلومات 'ہماری زبان' کے آئندہ شماروں کے ذریعے آپ تک پہنچتی رہیں گی

دہلی کے عالمی کتاب میلے میں انجمن کے بک ڈپو کی شرکت

نیشنل بک ٹرسٹ کے زیر اہتمام دہلی کے پرگتی میدان میں ۴ تا ۱۰ فروری ۲۰۱۳ء منعقد عالمی کتاب میلے میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے بک ڈپو کا بھی اسٹال لگا تھا۔ انجمن کے اسٹال سے تقریباً 80,000 روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں۔

مطالعہ ایک باشعور ذہن کا فعال، حرکی اور جدلیاتی عمل ہے۔ ایک ایسا عمل جو ذہن کی تنقیدی صلاحیت کو بروئے کار لاتا ہے۔ اس معنی میں تنقید فی الحقیقت انسانی شخصیت کا اثبات ہے۔ آدمی کہتا ہے تم میرے ذہن کو مغلوب اور مسحور نہیں کر سکتے، اسے مشتعل نہیں کر سکتے، اسے رنگ نہیں سکتے۔ مختصر یہ کہ تم میرے ذہن کو غلام نہیں بنا سکتے۔

بڑے ادیبوں سے رابطہ عالمی کانفرنسوں میں قائم نہیں ہوتا بلکہ تنہائی اور تخلیہ میں ان کی کتابوں کے پُرسکون مطالعے کے ذریعے ان سے شناسائی حاصل کی جاتی ہے۔ سنجیدہ مطالعے کے لیے ضروری ہے کہ ذہن کھلا ہو، غیر ابر آلود ہو، بیدار اور خلاق ہو۔ سفید کاغذ پر تو سیاہ حروف ہی بکھرے ہوتے ہیں، لیکن پڑھنے والے کا ذہن ان حروف سے ایک پوری کائنات تخلیق کرتا ہے۔ یہ کائنات شیکسپیئر کی ہوتی ہے اور ملٹن کی، ٹالسٹائی کی اور فلابیر کی، فردوسی کی اور غالب کی، پڑھنے والے کا ذہن باشعور نہ ہو، خلاق نہ ہو، ناقدانہ نہ ہو تو غالب کے اشعار کاغذ پر بے جان سطروں کی صورت بکھرے رہتے ہیں۔ پڑھنے والے کے ذہن کا لمس پاتے ہی وہ پر لگا کر اڑتے ہیں۔ ذہن جتنا بالانشین ہوگا شعروں کی اڑان بھی اتنی ہی بلند ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں تخلیق پر تنقید کا غلبہ ہے۔ یہ بات صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ صحیح اس معنی میں کہ تنقید کے نقارخانے میں تخلیق کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ غلط اس معنی میں کہ ہمارے یہاں جتنے نقادوں کی ضرورت ہے اتنے نظر نہیں آتے۔ انگریزی میں تو ایک شاعر یا ایک ناول نگار پر دس پندرہ کتابیں تو اس کی زندگی میں ہی نکل جاتی ہیں، ہمارے یہاں بیدی، منٹو، عصمت، کرشن چندر، راشد، فیض، سردار جعفری پر ایسی کتنی کتابیں سامنے آئی ہیں جنھیں پڑھ کر محسوس ہو کہ انھیں ان کے مرتبے کے نقاد ملے۔ جو کتابیں سامنے آئی ہیں انھیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ نقادوں نے اپنا الّو سیدھا کیا ہے۔ کسی شاعر کا حق ادا کیے بغیر اپنی تنقید کا لوہا منوانے کی کوشش کی ہے۔ یہ عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جو ادب کے پُرشوق قاری بنے بغیر پُرمشقت نقاد بن جاتے ہیں۔ ان کی تنقیدوں میں علم اور انسپریشن تو بھی ہوتی ہے اور محنت اور مشقت بھی، لیکن وہ بصیرت نہیں ہوتی جو نقاد کو ادب کے باشعور اور باذوق مطالعے کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ ان کے مضامین غیر تخیلی اور غیر تخلیقی ہوتے ہیں۔ عظیم تنقیدوں میں تخیل، تخلیق اور بصیرت کا ایک دھارا ہوتا ہے جس کا سرچشمہ شعر و ادب کا پُرکیف مطالعہ رہا ہے۔ تنقید کا یہی تخلیقی اور وجدانی جوہر خشک عالموں اور بے جان مدرسوں کو اپنی طرف لپکاتا ہے، لیکن یہ جوہر اس وقت تک ہاتھ نہیں آتا جب تک ادبی تجربہ نشہ بن کر حواس پر نہ چھا جائے اور اس شیریں دیوانگی کو جنم نہ دے جو قاری کو مدرسے کی گھٹن آلود فضا سے باہر نکال کر ادب کی دشت نوردی اور آوارگی کی وہ بے پایاں تمنا عطا کرے جس کی تشنگی کبھی بجھنے نہ پائے۔ ڈاکٹریٹ کے مقالوں اور مدرسانہ مضامین میں ابھی کھلی فضاؤں کی روشنی اور خوشبو نہیں ہوتی۔ از کار رفتہ علوم اور علم بیان کی بوسیدہ کتابوں کی نم آلود روباسی باس ہوتی ہے۔

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ نقادوں نے اپنی اوٹ پٹانگ تنقیدوں اور نظریات کے ذریعے تخلیقی فنکاروں کو یا تو بانجھ کیا ہے یا گمراہ۔ بے شک نظریات کا اثر لکھنے والوں پر پڑتا ہے لیکن عموماً فنکار لکھنے کے گُر نقادوں سے نہیں بلکہ دوسرے بڑے فنکاروں کے مطالعے کے ذریعے ہی سیکھتا ہے۔ اسی لیے لکھنے والے کے لیے بھی ادب کا قاری ہونا بہت ضروری ہے۔ فنکار قاری کی کوکھ سے ہی پیدا ہوتا ہے اور نقاد قاری ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ہمارے یہاں مصیبت یہ ہوئی ہے کہ جیسے ہی لکھنے لکھانے کا کاروبار چل پڑتا ہے تو کیا فنکار اور کیا نقاد دونوں ادب پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ تبھی ایسا ادب اور تنقیدیں ہیں جو ناخواندہ لوگوں کے لیے عموماً نیم خواندہ لوگ لکھتے ہیں۔ ایک باشعور نقاد ادبی میڈیوکریٹی کے ساتھ کبھی سمجھوتہ نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ حسن و خوبی پر اصرار کرتا ہے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کے تحت وہ خام کار لکھنے والوں کی تعریف نہیں کرتا۔ ایسا کرنے سے ادب کی پرکھ کے معیار بدل جاتے ہیں اور ادبی تصورات کی مستحکم فصیلوں میں شگاف پڑ جاتے ہیں۔ حوصلہ مند لکھنے والوں کا جگرا اتنا بڑا ہونا چاہیے کہ وہ ان پر ایمان داری سے کی گئی تنقید کو برداشت کر سکیں۔ فنکار خود اپنے فن کا ناقد ہوتا ہے اسی لیے وہ خود نقاد کی بات سمجھتا ہے۔ اوسط درجے کے لکھنے والوں کا تنقیدی شعور بھی اوسط درجے کا ہوتا ہے۔ اسی لیے یا تو وہ نقاد پر جھنجھلاتے ہیں یا اس کے نظریات کی اندھی پیروی کرتے ہیں۔ کمزور ذہن ڈیماگاگ اور آئیڈیولوگ کی خطابت کا اثر فوراً قبول کرتا ہے۔ اسی لیے ایلیٹ نے کہا ہے کہ ہر ذہن کو ناقدانہ ہونا چاہیے کہ وہ اشتعال انگیز تصورات کے دھارے میں نہ بہہ جائے۔ عام طور پر نسل پرست، فرقہ پرست جماعتوں، تنظیموں اور سیناؤں کے پیرو وہی لوگ ہوتے ہیں جن میں خود تنقیدی کا مادہ نہیں ہوتا۔ ان کا خمیر ہی پیری اور مریدی کی مٹی سے بنا ہوتا ہے۔ آتش بیاں مقرر کی شعلہ البیانی ان کے تخیل کو بھڑکاتی ہے اور ان کا لہو کھول اٹھتا ہے۔ ایک مہذب اور متمدن آدمی کی نشانیاں کچھ اور ہیں۔ وہ بیدار مغز ہوتا ہے، سوادیدہ سے کام لیتا ہے۔

مغلوب ہونے کے خوف کے بغیر وہ بڑے تصورات اور نظریات سے آنکھیں چار کرتا ہے۔ فنکار کوئی گود کھلایا بچہ نہیں ہوتا کہ اسے نقاد کے نظریات سے دور چھوئی موئی کے پودے کی طرح پروان چڑھایا جائے۔ وہ فنکار جسے اپنی تخلیقی ضرورتوں کی آگہی میسر ہے وہ اپنی راہ آپ بناتا ہے۔

کیا تنقید کا درجہ تخلیق سے کمتر ہے؟ کیا تنقید تخلیق کی طفیلی بردار ہے؟ کیا نقاد ادب کا غیر اہم آدمی ہے؟

سماجیات ہو یا نفسیات، لسانیات ہو یا علم اساطیر، علوم کے مختلف شعبوں میں جو کچھ بہترین سوچا گیا ہے، تنقید اسے اپنے اندر سموتی ہے۔ اس معنی میں تنقید جہانِ افکار ہے جس کی سیاحت ولولہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ تنقید ادب کا تذکرہ ہے اور ذکرِ یار و محفلِ یار کا لطف رکھتا ہے۔ اسی لیے تنقید شعر و ادب کے شوق کو مہمیز کرتی ہے، ذوق کو نکھارتی ہے اور جذبۂ تجسس کو دھاردار بناتی ہے۔ تنقید ماضی کے ادب میں ہماری دلچسپی برقرار رکھتی ہے اور شاعروں کو قعرِ فراموش گاری میں گرنے سے محفوظ رکھتی ہے۔ قدیم شعرا میں فن اور معنی کی نئی جہات دریافت کرکے ان پر جمی ہوئی فرسودگی کی گرد دور کرتی ہے اور انھیں ایک نئی تازگی اور توانائی عطا کرتی ہے۔ ادب خلوت کا مشغلہ ہے لیکن قاری کے ذہن میں محفلیں برہم کرتا ہے۔ تنقید ادب کی بزم آرائی ہے، ان محفلوں اور ہنگاموں کا بیان جو قاری کے ذہن میں برپا ہوتے رہتے ہیں۔ تنقید وہ سرِ دلبراں ہے جو منبر پر فاش کیا جاتا ہے، وہ وعظ ہے جو راز کی صورت راز دانوں کو سنایا جاتا ہے۔ تنقید تخیل کی تخلیق کردہ جادوگری کی سیر ہے، جہانِ افکار کی سیاحت ہے، ماضی کے کھنڈروں میں زندہ تجربات کی تلاش ہے، شعر کی مئے دوآتشہ کی سرشاری

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

عظیم مجاہدِ آزادی شہید اشفاق اللہ خاں کے نام پر مچھلی مارکیٹ بنانے کے بجائے ان کے شایانِ شان کوئی یادگار قائم کر کے خراجِ عقیدت پیش کیا جائے

انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری اطہر فاروقی کا شیلا دکشت کو مکتوب

نئی دہلی (۱۹ فروری)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے دہلی کے غازی پور میں واقع مرغا مچھلی مارکیٹ کو عظیم مجاہد آزادی شہید اشفاق اللہ خاں کے نام سے منسوب کرنے کو ایک انتہائی مضحکہ خیز عمل سے تعبیر کیا ہے۔ اردو شاعر اور عظیم مجاہد آزادی کے تئیں دہلی حکومت کے اس ہتک آمیز اقدام کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے انھوں نے اس امر پر بھی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ آج تک کسی نے دہلی حکومت کے اس نازیبا اقدام کا نوٹس نہیں لیا۔ انھوں نے اپنے خط میں وزیر اعلا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

میں ایک ایسے معاملے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، جس سے نہ صرف اردو کے خلاف دہلی حکومت کے جارحانہ رویے کا پتا چلتا ہے بلکہ یہ عمل تحریکِ آزادی کے تمام مجاہدین کے منہ پر طمانچہ ہے۔ شاید ملک کا کوئی بھی شہری حکومت دہلی کی اس بھونڈی حرکت کو پسند نہیں کرے گا کہ جامع مسجد کے اس قدیمی مرغا مچھلی مارکیٹ کو جب دہلی کے غازی پور علاقے میں منتقل کیا گیا ہے تو اس کا نام عظیم مجاہد آزادی شہید اشفاق اللہ خاں کے نام پر ''شہید اشفاق اللہ خاں مچھلی مارکیٹ'' رکھا جائے۔ مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ اس مچھلی مارکیٹ کے سامنے ایک مرغا مارکیٹ بھی واقع ہے۔

بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ ہندستان کے عظیم سپوت اور اردو کے ممتاز شاعر کی یاد میں خراجِ عقیدت کے طور پر قائم کیا گیا ہے تو اس سے زیادہ غلط پالیسی اور بدمزاجی کی مثال کیا ہو سکتی ہے۔ اور یہ اس وقت اور حیران کن ہو جاتی ہے جب اس کام کو ایک ایسے مہذب شہری وزیر اعلا کی سرپرستی میں انجام دیا گیا ہو، جو اپنے آپ کو دلی والی کہلانے پر فخر محسوس کرتی ہیں۔

کیا کسی قومی ہیرو کو اس کے شایانِ شان یادگار قائم کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ہم اس کی یادگار کے نام پر لوگوں کے سامنے کیکڑے، مچھلی اور جھینگا کا طوفانِ نوح جیسا منظر پیش کریں؟ کیا یہی ہماری وہ میراث ہے جو ہم اپنی نوجوان نسل کے لیے چھوڑنا چاہتے ہیں، یقیناً ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ بہادر مجاہدین آزادی اور ملک کی خاطر اپنی جان نچھاور کر دینے والے شہیدوں کے ساتھ انتہا درجے کی بدذاقی ہوگی۔

شہید اشفاق اللہ خاں کو بلا تفریق مذہب و ملت ہمیشہ ایک ایسے ہندستانی کے طور پر یاد کیا جاتا ہے اور یاد کیا جاتا رہے گا جو نہ صرف اردو کے ممتاز شاعر تھے بلکہ ایک ایسے بہادر مجاہد آزادی اور شہید تھے جنھوں نے صرف 27 سال کی عمر میں ملک کی آزادی کے لیے اپنی جان نچھاور کر دی تھی۔

آخر میں ڈاکٹر اطہر فاروقی نے اپنے اس خط میں وزیر اعلا سے درخواست کی ہے کہ اگر آپ اس غلطی کو درست کر کے شہید اشفاق اللہ خاں کو ان کے شایانِ شان یادگار قائم کر کے خراجِ عقیدت پیش کرتی ہیں تو یہ ملک آپ کا شکر گزار ہوگا۔

(یہ پریس ریلیز انجمن نے ۱۹ فروری کو جاری کی)

☆☆☆

دوسری اور آخری قسط

بشری درد و کرب کا عکاس: پشکر ناتھ

دیپک بدکی (A-102، ایس۔ جی۔ امپریشنز، سیکٹر 4، وسندھرا، غازی آباد-201012)

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے پشکر ناتھ جا بجا اپنے معاشرے میں بڑھ رہے ناسوروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایسا کرتے وقت وہ تجریدی اور رمزیہ طرز کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

☆ "دھندا تو بہر حال اب بھی وہی ہے صرف شکل بدل گئی ہے۔ آزادی کے بعد جس طرح ساری چیزوں اور دھندوں کی شکلیں بدل گئی ہیں۔ پہلے ڈاکو چنبل کی گھاٹیوں میں رہا کرتے تھے، اب ڈاکو سے چہرے اور ریشمی پوشاکیں پہن کر تاج انٹر کانٹی نینٹل یا اوبرائے شیرٹن کے شیش محلوں میں رہتے ہیں اور وہی دھندہ کرتے ہیں"۔

(عشق کا چاند اندھیرا، ص ۱۵)

☆ "تم نے سوچ سمجھ کر ترازو ہاتھ میں لے کر مجھ سے محبت کی ہے اور میں طرح طرح کے زہر کا مارا ہوا تمہاری اس چاہت کا زہر بھی پی جاؤں گا۔ قطرہ قطرہ بوند بوند جس طرح یوریا کھاد کا زہر نگلتا ہوں، ڈیزل کا زہر سونگھتا ہوں، ڈی ڈی ٹی کا زہر گھول کر پی جاتا ہوں"۔

(ایک بوند زہر، ص ۵۹)

☆ "اب زہر آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اللہ داد خاں مختلف پیکٹوں میں آئے گی۔ خوبصورت ڈبیوں میں آئے گی۔ رنگین لفافوں میں آئے گی"۔

(ایک بوند زہر، ص ۶۰)

☆ "آج کل تو کم پڑھے لکھے لوگ دونوں ہاتھ سے دولت کماتے ہیں۔ بلکہ بہت ہی کم پڑھے لکھے لوگ تو منسٹر بن جاتے ہیں۔ میں نے دو دو ایم اے کیے ہیں، آنکھوں کی روشنی اور بھیجے کی گرمی کھو دی، اور جب کہیں جا کر اسکول ماسٹر بن سکا۔ اب تو سال دو سال سے ہیڈ ماسٹر بن گیا ہوں۔ وہ بھی بی ایڈ کرنے کے بعد، نہیں تو پنشن تک ماسٹری رہتا"۔

(میری گلی کا کتا، ص ۷۹۔۸۰)

☆ "میرے لیے یہ اطلاعات کوئی اچنبھے کی بات نہ تھیں، کیوں کہ آج کل ہر شخص دو دو بلکہ تین تین زندگیاں بیک وقت گزارنے پر مجبور ہے۔ اسی لیے ایک کھلاڑی بیک وقت کھلاڑی بھی ہوتا ہے، اسمگلر بھی ہوتا ہے اور اپنے محلے کا پریزیڈنٹ بھی ہوتا ہے یا ایک افسر بیک وقت افسر بھی ہوتا ہے اور کسی فرم یا کمپنی کا مالک بھی... یا ایک سادھو بیک وقت مذہبی پیشوا بھی ہوتا ہے، بردہ فروش بھی ہوتا ہے اور جوئے خانے کا مالک بھی ہوتا ہے۔" (کالج کی دنیا، ص ۱۵۶)

افسانہ نگار نے کئی جگہ استعاروں اور علامتوں کا بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے۔ افسانہ 'میری گلی کا کتا' میں کتا اور اس کا بھونکنا، جو اشبھ مانا جاتا ہے، دونوں زندگی کی کشمکش اور اس سے مکتی پانے کی علامتیں ہیں۔ 'سات رنگ کا سپنا' کا بچہ انسانی ضمیر اور آنے والی نسل کا کنایہ ہے جو مبہوت کھڑا صورت حال کا جائزہ لے رہا ہے۔ افسانہ 'جوڑا ابابیلوں کا' میں ابابیلوں کو بطور محبت کا علامیہ استعمال کیا گیا ہے۔ 'غبارے کی واپسی' کا غبارہ، 'شہر بے چراغ' کی کلائی کی گھڑی اور بن موتی کے سیب، 'تراوت کھیلی' کا ریچھ اور تراوت کھیلی، بھی علامتوں کے طور پر استعمال کیے جا چکے ہیں۔ رقص، پاؤں، زنجیر میں بالک رام تو تمام ہندوستانی کی علامت بن کر ہمارے سامنے آتا ہے جو اپنی ساری زندگی 'بے ہنڈ' بولتا ہے مگر اس کی موت معاشرے کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ افسانہ گو تیس برس پہلے لکھا جا چکا ہے پھر بھی آج کے حالات کو منعکس کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو ایک اقتباس:

"دروازہ کھلنے کی دیر تھی کہ تمام آوارہ آوازیں، تمام اندھی روحیں، تمام ننگ دھڑنگ ہڈی پنجر اندر داخل ہو گئے۔ اور پھر باہر کا طوفان اندر آ گیا اور اندر کا طوفان باہر آیا۔ اور میں درمیان میں ایک ادھ بجھی مشعل کی طرح کبھی جلتا رہا، کبھی بجھتا رہا"۔

کشمیر کے حوالے سے کئی افسانوں کی منظر نگاری ہمارے سامنے آتی ہے۔ یہی منظر نگاری کرشن چندر کے افسانوں کی جان تھی اور قاری ان کے بیان سے سحر زدہ ہوتے تھے۔ پشکر ناتھ بھی اپنے ماحول کا دقیقہ شناسی سے جائزہ لیتے ہیں اور قاری کے ذہن پر تصویریں کھینچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

☆ "اسے ابابیلیں بہت اچھی لگتی ہیں اور بھی کچھ چیزیں اسے اچھی لگتی ہیں، جیسے برف کے نیچے دانہ پانی بستہ برف کی گاجریں (icicles) کھانا۔ برف سے ڈھکی ہوئی چھتوں سے جب پانی کی بوندیں رسنے لگتی ہیں تو یہ رستی ہوئی بوندیں تیز برفانی ہوا سے منجمد ہو جاتی ہیں۔ صبح اٹھ کر دیکھیے تو چھت کے کنارے کنارے ان گنت گاجریں لٹکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کرچ کرچ کر کے کھا جاتی ہے یہ گاجریں اور پھر پینسلین کے ٹیکے لگواتی ہے۔ کئی کئی دنوں تک بول بھی نہیں سکتی"۔

(جوڑا ابابیلوں کا، ص ۱۲۵۔۱۲۳)

☆ "حالاں کہ گنگناگ سے ڈکسم جاتے جاتے گاڑی کی رفتار کم کرنی چاہیے، نہیں تو ان سربلند دیار اور چیل کے درختوں کا لاابالی پن، جگہ جگہ اگے ہوئے جنگلی پھولوں کی رنگا رنگی، قدم قدم پر بہتی ہوئی چھوٹی چھوٹی ندیوں کی مست خرامی دیکھنے میں نہیں آئے گی"۔

'شہر بے چراغ' میں افسانہ نویس نے کشمیر کے صوفی شیخ نورالدینؒ کے مشہور شعر کو نثری جامہ پہنایا ہے:

"کہا تھا میں نے، جب گندم اور چاول موتیوں کے بھاؤ بکیں گے۔ کہا تھا میں نے، جب مائیں اپنی بیٹیوں کے ہاتھ تھام کر بازار کا رخ کریں گی۔ کہا تھا میں نے، جب سورج بہت پرے دھکیلا جائے گا اور ایک لمبی کالی بھیانک رات زمین کو نگل لے گی"۔

جہاں تک کردار نگاری کا تعلق ہے، پشکر ناتھ نے کئی جاندار کردار اردو ادب کو دیے ہیں۔ ان کرداروں کے بارے میں پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہمارے اردگرد ہی کہیں پر رہتے ہیں اور ہم نے انھیں ضرور دیکھا ہے۔ بدصورت گلدان کی ریسرچ اسکالر سودا بھابھی، رات اکیلی ہے کی مریض رکھشا، دل کی بستی کی جاگی دیوی اور درد کا مارا کا سمد، چند اہم کرداروں کے نام ہیں۔ ان کے اکثر کردار اپنے ضمیر کی آواز سن کر یا ماحول سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو بدل دیتے ہیں۔ افسانہ 'کالج کی دنیا' کے کردار مادھوری کی پیکر نگاری یوں کرتے ہیں:

"اطلاع کے مطابق مادھوری ایک اسکول ماسٹرنی کی بیٹی تھی، نرسنگ ہوم میں بطور نرس کے کام کرتی تھی اور پانچ بجے کے بعد اپنی اس زندگی کا لبادہ اتار کے ایک دوسری زندگی کا ڈریس پہنتی تھی۔ یعنی مادھوری ایک ہی وقت میں دو زندگیاں گزارتی تھی۔ ایک غریب نرس کی، جس میں محبت کا پیکر بن کر مریضوں کے تپتے ماتھے پر اپنا شفقت کا ہاتھ رکھتی تھی، ان کے دکھوں کی ٹیس کو، درد کی کرچیوں کو اپنی میٹھی، پیاری اور کومل مسکراہٹ میں ڈھالا دھلا کر ان کے لیے ایک بھیا بنا تیار کرتی تھی اور پانچ سو روپے ماہانہ تنخواہ پاتی تھی۔ اور ایک شوخ و شنگ تتلی کی زندگی، جس میں وہ بڑھیا اور جدید فیشن کے کپڑے پہن کر ہر شام ٹیکسی میں بیٹھ کر سن رائیز کلب میں آتی تھی اور فلیش کھیلتی تھی، ٹوسٹ کرتی تھی، بیئر پیتی تھی اور دو تین گھنٹے اپنا منورنجن کرنے کے بعد چلی جاتی تھی۔ اس گندے سے، ٹوٹے پھوٹے سے مکان میں، جہاں اس کی استانی ماں دن بھر کی تھکان سے چور اس کا انتظار کرتی رہتی تھی"۔

(کالج کی دنیا، ص ۱۵۶۔۱۵۵)

پشکر ناتھ کی زبان سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ ان کے یہاں اردو اور ہندی کا سریلا سنگم ملتا ہے جب کہ مفرس اور معرب الفاظ سے انھوں نے پرہیز کیا۔ ایسا لگتا ہے کوئی جھرنا دل گداز راگ چھیڑتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ انھوں نے کہیں کہیں دوسری زبانوں کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جیسے ٹوبر (پنجابی، ص ۲۶)، مستک (ہندی، ص ۳۹)، ڈوکا (گوجری، ص ۵۷)۔ اس کے علاوہ افسانہ نگار نے icicles کے لیے خود ہی متبادل لفظ 'گاجر' اختراع کیا ہے چونکہ وہ شفاف گاجروں سے مشابہ ہیں۔ جدیدیت سے متاثر ہونے کے باوجود انھوں نے بیانیہ کو ترجیح دی اور اپنی بات قاری تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

پشکر ناتھ چار دہائیوں تک قارئین کے دل و دماغ پر راج کرتے رہے اور پڑھنے والے بے صبری سے ان کے افسانوں کا انتظار کرتے تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قدر و منزلت کے وہ حق دار تھے وہ ان کو نہ زندگی میں میسر ہوئی اور نہ مرنے کے بعد۔

☆☆☆

اردو دُنیا

جوڈیشیل سروس سلکشن امتحانات اردو میں بھی ہوں گے

علی گڑھ (۱۲ فروری)۔ اترپردیش کے وزیر لیبر جناب شاہد منظور نے کہا کہ اترپردیش پروونشیل جوڈیشیل سروس سلکشن اگزامنیشن کے لیے اردو زبان کو بھی امتحانی پرچہ تحریر کرنے کے لیے ایک میڈیم کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ وزیر لیبر شاہد منظور نے کہا کہ PJSSE میں اردو کو بھی ایک میڈیم کے طور پر شامل کرنے کے اپنے وعدے کی ہم عنقریب تکمیل کریں گے۔ کل یہاں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ریاست میں سماج وادی پارٹی کی قیادت والی حکومت اردو زبان کے فروغ کے لیے اپنے وعدے کی پابند ہے۔ (اردو ایکشن۔ بھوپال)

روزگار سماچار اردو کا 'ای ورژن' لانچ

نئی دہلی (۵ فروری)۔ اطلاعات و نشریات کے مرکزی وزیر جناب منیش تیواری نے آج یہاں ایک پُر وقار تقریب میں روزگار سماچار اردو کا ای ورژن لانچ کرتے ہوئے کہا کہ ہندستان کے دور دراز علاقوں اور بیرونی ملکوں میں رہنے والے اردو داں افراد بھی اب سرکاری، نیم سرکاری اور پبلک کمپنیوں میں روزگار سے متعلق اطلاعات اور دیگر اہم معلومات گھر بیٹھے حاصل کرسکیں گے۔ انھوں نے روزگار سماچار کا ای ورژن شروع کرنے پر پبلی کیشن ڈویژن کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ اردو ورژن کے شروع ہونے سے اطلاعات کو آسانی سے پہنچانے میں مدد ملے گی۔ انھوں نے کہا کہ اردو اس ملک کی مشترکہ ثقافت کا حصہ ہے اور حکومت اردو سمیت تمام زبانوں کے فروغ و اشاعت کے لیے اپنے عہد کی پابند ہے۔ یہاں عالمی کتاب میلے میں منعقدہ ایک تقریب میں ای ورژن لانچ کرتے ہوئے مرکزی وزیر نے کہا کہ حکومت لوگوں کو ملازمت کے مواقع فراہم کرنے کے لیے متعدد اقدامات کررہی ہے اور روزگار سماچار اردو کا ای ورژن اس سلسلے میں مزید معاون ثابت ہوگا۔ اس ای ورژن کو www.rozgarsamachar.gov.in پر پڑھا جاسکتا ہے۔ اس موقعے پر وزیر اعظم کے میڈیا مشیر پنکج پچوری نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ حکومت اگلے دس برسوں تک ہر سال ایک کروڑ روزگار پیدا کرنا چاہتی ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ معیشت بھی تیزی سے ترقی کرے۔ خیال رہے کہ ایمپلائمنٹ نیوز اور روزگار سماچار (ہندی اور اردو) گزشتہ 35 برسوں سے شائع ہورہا ہے۔
(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

مولانا آزاد اردو ہائی اسکول خضر پور کو حکومت مغربی بنگال سے منظوری

کلکتہ (۳ فروری)۔ محکمہ تعلیم حکومت مغربی بنگال نے مولانا آزاد اردو ہائی اسکول کا نام پور کر خضر پور، کلکتہ-۲۳ کو بطور جونیر ہائی اسکول منظوری دے دی ہے۔ کلکتہ کا علاقہ خضر پور جو تعلیمی اعتبار سے ہمیشہ پچھڑا رہا ہے، بالخصوص اردو داں طبقے کے لیے تعلیمی ادارے نہیں کے برابر ہیں۔ آزادی کے بعد کانگریس کے 25 سالہ دور حکومت میں صرف ایک اردو میڈیم جونیر ہائی اسکول خضر پور مسلم جونیر ہائی اسکول کے نام سے قائم کیا گیا اور بایاں محاذ کے 35 سالہ دور حکومت میں اس کو سکنڈری اور پھر ہائر سکنڈری کا درجہ دیا گیا۔ ہزار کوششوں کے باوجود ایک بھی اردو میڈیم سکنڈری اسکول کو منظوری نہیں ملی جب کہ خضر پور اور ڈاک ویسٹ علاقے میں ہندی و بنگلہ میڈیم کے دو درجن سے زائد سکنڈری اسکولوں کو حکومت سے منظوری ملی۔ آبادی کے لحاظ سے اردو والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اردو میڈیم سکنڈری اسکول کی کمی کی وجہ سے علاقے کے 75 فیصد طلبہ و طالبات ہندی ذریعۂ تعلیم کے سکنڈری اسکول میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ ڈاکٹر علی شیر نے اس کمی کو محسوس کیا اور پہلے مولانا آزاد اردو اسکول قائم کیا اور حکومت مغربی بنگال سے اسے منظوری بھی دلائی لیکن سکنڈری اسکول کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھا اور ان کی طویل جدوجہد کی ہی بدولت آج خضر پور میں ایک سکنڈری اسکول کو حکومت مغربی بنگال نے منظوری دے دی۔
(آزاد ہند، کلکتہ)

سرکاری دفتروں اور بسوں پر اردو بورڈ نصب کرنے کی ہدایت

گلبرگہ، کرناٹک (یکم فروری)۔ انڈین نیشنل لیگ کی نمائندگی پر محکمۂ تعلیمی بہبود حکومت کرناٹک کے انڈر سکریٹری نے چیف منسٹر کی ہدایت پر محکمۂ شہری ترقیات، محکمۂ تعلیمات اور این ای کے آر ٹی سی کو مکتوب لکھ کر ہدایت دی ہے کہ وہ اردو اکثریتی ضلع گلبرگہ، بیدر، رائچور، بیجاپور اور دیگر اضلاع میں اردو داں عوام کی سہولت کے لیے سرکاری دفتروں اور بسوں کے بورڈ اردو میں لکھنے، اردو میں درخواستیں قبول کرنے اور اردو ٹیچرس کے لیے اردو میں ٹریننگ دینے اور اردو بھون تعمیر کرنے کے لیے اقدامات کریں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ گزشتہ دنوں چیف منسٹر کرناٹک جگدیش شٹر کے دورۂ گلبرگہ کے موقعے پر یہاں سے انڈین نیشنل لیگ کے وفد نے محمد علی ... کی قیادت میں ملاقات کرتے ہوئے یادداشت پیش کی تھی، یادداشت میں اردو سے متعلق کئی مطالبات کیے گئے جن کی یکسوئی کے لیے چیف منسٹر نے متعلقہ محکموں کو ہدایت دی ہے۔
(سالار، بنگلور)

بسنت پور کا اردو مکتب تعصب کا شکار

سمستی پور، بہار (۹ فروری)۔ ایک طرف جہاں ہمہ گیر تعلیمی مہم کو آگے بڑھانے کی بات کی جارہی ہے وہیں ضلع کے مسلم محلوں میں اردو مکتب کو تعصب کی بنا پر بند کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ اس طرح کا ایک معاملہ ضلع کے حسن پور بلاک حلقے کے پنچایت راج مسوڑھا بسنت پور کے گاؤں ہری پور کے وارڈ نمبر 10 میں سامنے آیا ہے جہاں انگلیش جلنے سے تعلق رکھنے والے پس ماندہ برادری کی تقریباً 200 آبادی ہے۔ ان لوگوں نے مل کر 30 سال پہلے ایک مکتب قائم کیا تھا، جب گزشتہ سال میں نئے نئے پرائمری اسکول کا قیام ہونے لگا تو گاؤں والوں نے اس اسکول کو منظور کرانے کی مہم چلائی جس کے لیے محمد بارک حسین نے دو کٹھہ زمین جس کا پرانا کھاتا نمبر 79 کھسرا 11 اور نیا کھاتا نمبر 127 کھسرا نیا 7 ہے، اردو مکتب کے نام پر ۳ جون ۲۰۰۷ کو روسڑا سب ڈویژن اور دفتر میں رجسٹرڈ کرادیا گیا۔ اس کے بعد بلاک کمیٹی کی میٹنگ میں اردو اسکول کو منظوری بھی دی گئی اور بلاک ترقیاتی افسر نے بھی اس اردو مکتب کو جانچ کر کے تمام شعبے منظور کرا کر مسلم بچوں کے لیے اردو زبان کے ٹیچر کے تقرر کی کارروائی کی لیکن تعصب پرستی کی وجہ سے مذکورہ اردو مکتب میں حسن پور بلاک کے بی ای او یادو نے کنل دھاری یادو سے مل کرانجا دیوی نامی لیڈی ٹیچر کا تقرر کروایا جو اردو سے بالکل ناواقف ہیں۔
(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو برطانیہ کی چوتھی بڑی زبان تسلیم کرلی گئی

لندن (۳۱ جنوری)۔ اردو سرکاری طور پر برطانیہ کی چوتھی بڑی زبان تسلیم کرلی گئی ہے۔ ۲۰۱۱ء کی مردم شماری سے قبل یہ تصور کیا جاتا تھا کہ شاید اردو برطانیہ میں بولی جانے والی دوسری بڑی زبان ہے مگر اعداد و شمار کے مطابق برطانیہ میں بولی جانے والی زبانوں میں انگریزی کے بعد سب سے بڑی زبان پولش ہے۔ اس کے بعد پنجابی اور پھر اردو کا نمبر آتا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق انگریزی زبان والے اس ملک میں ایک لاکھ 38 ہزار افراد ایسے بھی ہیں جو انگریزی بالکل نہیں بولتے اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ لاکھوں کی تعداد میں ایسے افراد بھی ہیں جو بہ مشکل انگریزی بولتے ہیں۔ مردم شماری کے اعداد و شمار میں بتایا گیا ہے کہ انگلینڈ اور ویلز میں 92 فیصد افراد انگریزی بولتے ہیں جب کہ 8 فیصد یعنی 40 لاکھ افراد دیگر زبانیں بولتے ہیں جن میں بنگالی، گجراتی، فرنچ، چینی اور پرتگالی زبانیں شامل ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق لندن میں 22 فیصد یعنی 17 لاکھ افراد ایسے ہیں جن کی زبان انگریزی نہیں ہے بلکہ وہ دوسری زبانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ برطانیہ میں دوسری زبانیں بولنے والوں میں 17 لاکھ افراد ایسے ہیں جو اچھے طریقے سے انگریزی بول سکتے ہیں۔ 16 لاکھ افراد مناسب حد تک انگریزی بولتے ہیں۔ 7 لاکھ 26 ہزار تھوڑی بہت بول لیتے ہیں جب کہ ایک لاکھ 38 ہزار اس زبان سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ برطانیہ میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی متفقہ زبان اردو ہی ہے۔ (اعتماد۔ حیدرآباد)

جامعہ عثمانیہ میں اردو زبان سے تعصب

حیدرآباد (۸ فروری)۔ تلنگانہ ۱۹۶۹ء تحریک کے جہد کاروں نے اردو کو کسی ایک قوم کی زبان سمجھ کر اردو کے ساتھ جاری تعصب کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے اردو کو خالص ہندستانی زبان قرار دیا۔ ڈاکٹر چرنجیوی، کیپٹن پانڈو رنگا ریڈی، سرید محمد ہاشم اور دیگر نے پریس کانفرنس کے دوران اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے متحدہ ریاست آندھرا پردیش کے قیام کے بعد اردو زبان کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کو قابل افسوس قرار دیتے ہوئے کہا کہ اردو ہندستان کی زبان ہے جس کو ایک قوم کے ساتھ جوڑ کر مسلسل کھلواڑ کی کوشش کی جارہی ہے۔ آندھرا پردیش کے حکمران آصف جاہی دور کی تمام تاریخی نشانیوں کو مٹانے کی کوشش کررہے ہیں، انھوں نے ایسی کوششوں کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ آصف جاہی دور کی نشانیاں ہماری قیمتی اثاثہ ہیں جس کے تحفظ کے لیے ہم ہر ممکن جدوجہد کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے امتیازی نشان میں اردو تحریر کے بجائے سنسکرت کے الفاظ شامل کردیے گئے ہیں جو قابل افسوس عمل ہے۔ انھوں نے کہا کہ آندھرائی حکمرانوں کا اردو زبان اور آصفیہ یادگاروں کے ساتھ متعصبانہ رویہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان کو ختم کرنے کی سازش کے تحت ہندی کو عثمانیہ یونیورسٹی میں شامل کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ قطب شاہی دور میں فارسی کا چلن تھا مگر آصفیہ دور حکومت کے آغاز کے بعد محبوب علی پاشاہ کے دور حکمرانی میں فارسی کو بیرونی اور اردو کو ہندستانی زبان قرار دے کر اردو کے چلن کو عام کردیا گیا تھا جس کا سلسلہ متحدہ ریاست آندھرا پردیش کے قیام تک جاری رہا مگر بعد میں آندھرائی حکمرانوں اور سرمایہ داروں نے

سرکاری محکموں میں اردو میں درخواستیں قبول کرنے کا مطالبہ

حیدرآباد (۱۳رفروری)۔ سابق رکن آندھراپردیش حقوق انسانی کمیشن جسٹس ای اسماعیل نے زور دیا کہ وہ اپنے بچوں کو اردو زبان کی تعلیم دینے کے اقدامات کریں۔ انھوں نے کہا کہ والدین اگر اپنے گھروں میں اردو اخبارات خریدیں گے تو اس سے ان بچوں میں اردو کے اخبارات پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا۔ جسٹس ای اسماعیل، کیشن پانڈو رنگا ریڈی کی تہنیتی تقریب کو مخاطب کررہے تھے جنھوں نے چند یوم قبل عثمانیہ یونیورسٹی کے لوگو سے اردو میں تحریر کردہ جامعہ عثمانیہ کو ہٹائے جانے کے خلاف بطور احتجاج پی ایچ ڈی ڈگری حاصل کرنے سے انکار کردیا تھا۔ جسٹس ای اسماعیل نے کہا کہ مہاراشٹر کے اضلاع بالخصوص پونہ میں اردو میڈیم کے طلبہ گزشتہ دس سال سے ایس ایس سی کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کررہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ حکومت کی جانب سے ریاست بالخصوص شہر حیدرآباد کی دکانات کے سائن بورڈ پر دکان کا نام تلگو اور انگلش میں لازمی طور پر تحریر کرنے کی ہدایت دی گئی ہے لیکن جس طرح اردو کو ریاست کے چندہ اضلاع میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے حکومت کو دکانات کے سائن بورڈ پر تلگو، انگلش کے ساتھ اردو میں تحریر کرنے کے لیے احکامات جاری کرنا چاہیے۔ انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ریاست میں اردو کے چندہ اضلاع کے تمام سرکاری محکموں میں اردو میں درخواستیں قبول کرنے کی ہدایت دے۔ صدر اے پی وقف بورڈ مولانا سید شاہ غلام افضل بیابانی نے کہا کہ بعض فرقہ پرست اور تنگ نظر عناصر اردو زبان کو مسلمانوں کی زبان قرار دے کر اس زبان کو ملک میں پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دے رہے ہیں جب کہ اردو ہندوستان کی زبان ہے۔ انھوں نے شہر حیدرآباد میں اردو کے فروغ کے لیے خدمات انجام دینے والی تنظیموں کے قائدین پر زور دیا کہ وہ اضلاع میں اپنی تنظیموں کی شاخیں قائم کریں۔ جنرل سکریٹری اے پی کانگریس کمیٹی جناب عابد رسول خاں نے کہا کہ آج کے اجلاس میں اردو کے فروغ کے لیے جو بھی تجاویز اور مشورے دیے گئے ہیں ان پر عمل آوری کے لیے ایجنڈہ مرتب کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ ریاست میں اردو کے فروغ اور ترقی کے لیے مائناریٹیز ایمپاورمنٹ فورم کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس فورم سے وابستہ عہدیدار اردو سے جو ناانصافی ہورہی ہے اس کو ختم کرانے کے لیے چیف منسٹر این کرن کمار ریڈی، وزرا اور دیگر سرکاری محکموں کے عہدیداروں سے نمائندگی کریں گے۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

اردو گرلس ہائی اسکول اساتذہ کی کمی کا شکار

بھاگلپور، بہار (۱۱رفروری)۔ تعلیم سے ہی برائی کا خاتمہ ممکن ہے۔ آج کے دور میں تعلیم کے تجارتی رنگ میں تبدیل ہونے سے ایک نئے قسم کی برائی تعلیمی شعبے کے اندر آگئی ہے جو ملک کی ترقی میں رکاوٹ ثابت ہوگی۔ مذکورہ خیالات کا اظہار 2+ اردو گرلس اسکول کی پرنسپل نیر پروین عرف نیلو نے ایک نجی ملاقات میں کیا۔ انھوں نے بتایا کہ آج جہاں چہار جانب لڑکیوں کو مساویانہ حقوق دینے کی بات ہورہی ہے وہیں آج بھی لڑکیاں تعلیمی میدان میں کئی وجوہات سے کافی پیچھے ہیں۔ اول تو لڑکیوں کو گھریلو ذمہ داریوں کی ادائیگی کے بعد فرصت کے اوقات میں ہی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ لوگ آج بھی لڑکیوں کی تعلیم کی اہمیت سے انجان ہیں۔ ایسے لوگ جو بیدار ہیں اور لڑکیوں کی تعلیم کی اہمیت سے واقف ہیں وہ بھی کئی طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں نیر پروین بتاتی ہیں کہ اردو گرلس ہائی اسکول ۱۹۷۸ء میں اقلیتی کردار کے ساتھ منظور ہوا تھا، اس وقت لڑکیوں کی تعداد کے مطابق اساتذہ، کلرک اور چپراسی کی بحالی ہوئی تھی۔ آج اس اسکول میں بچیوں کی تعداد تقریباً 1500 ہے لیکن اساتذہ، کلرک اور چپراسی کا پوسٹ ۱۹۷۸ء کے سرکلر کے مطابق ہی ہے۔ سرکار کو چاہیے کہ وہ طالبات کی موجودہ تعداد کے لحاظ سے پوسٹ منظور کرے لیکن سرکار کی طرف سے اس کے لیے کوئی پہل نہیں ہورہی ہے جس کی وجہ سے کئی طرح کی پریشانیوں کا سامنا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

سازش کے تحت اردو زبان کے ساتھ زبردست کھلواڑ کیا ہے۔ کیشن پانڈو رنگا ریڈی نے اس موقعے پر کہا کہ اردو ہندوستان کی پہچان ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو کے مدمقابل دیگر زبانوں کے فروغ کو ترجیح دیتے ہوئے اردو زبان کو پستی کا شکار بنادیا گیا ہے۔ انھوں نے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ، تمام سرکاری محکموں میں اردو زبان کے چلن کو عام کرنے، جنرل ہدایات تلگو کے ساتھ اردو میں شائع کرنا، تلگو، انگلش کے ساتھ تمام محکموں میں اردو بورڈس کی تنصیب کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اردو کو کسی ایک مذہب سے جوڑ کر اردو کے ساتھ جاری کھلواڑ کو ہم ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے انتقال پر

انجمن ترقی اردو (ہند) کے دفتر اردو گھر میں تعزیتی نشست

نئی دہلی (۲۱رفروری)۔ آج سہ پہر انجمن ترقی اردو (ہند) کے دفتر میں انجمن کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی کی صدارت میں ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے انتقال پر ایک تعزیتی نشست ہوئی۔ (پروفیسر تنویر احمد علوی کا ۲۰رفروری ۲۰۱۳ء کی شب ۹ بجے دہلی میں انتقال ہوگیا۔ وہ تقریباً 90 برس کے تھے۔ ان کے پس ماندگان میں دو بیٹے ہیں) اس نشست میں انجمن کے بعض اراکین کے علاوہ دفتر کے کارکنان نے بھی شرکت کی۔ اس موقعے پر انجمن کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے علوی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں کچھ دنوں اپنی پی ایچ ڈی کے سلسلے میں دہلی یونیورسٹی کا بھی طالب علم رہا۔ علوی صاحب اس زمانے میں شعبۂ اردو کے صدر تھے اور وہ ایم فل کے طلبہ کی تحقیق طریقۂ کار کے کورس کی کلاسیں بھی لیتے تھے۔ وہ انتہائی شفیق استاد تو تھے ہی اس کے علاوہ چوں کہ ایک سنجیدہ اور ذمہ دار محقق بھی تھے اس لیے ان کی کلاس میں طالب علموں کو استفادے کا بھرپور موقع ملتا تھا اور مجھے بھی جب تک میں وہاں رہا ان سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ انتہائی وسیع المطالعہ شخصیت بھی تھے، اب ایسے اساتذہ ڈھونڈنے سے بھی مشکل ہی سے ملیں گے۔ انجمن کے نائب صدر ڈاکٹر خلیق انجم نے بذریعہ ٹیلی فون اس نشست میں شرکت کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی اور مجھ میں ایک قدرِ مشترک یہ بھی کہ تحقیق ان کا بھی سروکار تھی اور میرا بھی۔ اور ان امور پر اکثر ان سے تبادلۂ خیال بھی ہوتا رہتا تھا، ان کے مطالعے کا یہ عالم تھا کہ علمی اور تحقیقی موضوعات پر نادر گفتگو کرسکتے تھے۔ میں ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ انجمن کے دوسرے نائب صدر جناب شریف الحسن نقوی نے علوی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھے علوی صاحب کے قریب آنے کا موقع اس وقت ملا جب میں نے دلی اردو اکادمی کے سکریٹری کا عہدہ سنبھالا، اس کے بعد نہ صرف دہلی اردو اکادمی بلکہ اور دوسرے ادبی اجتماعوں میں بھی ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور تحقیقی اور علمی معاملات پر ان کی دل پذیر گفتگو سے ہم فیض یاب ہوتے رہے، وہ یقیناً ادب کی ایک نایاب شخصیت تھے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر جناب شاہد ماہلی نے علوی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک بات یہ کہی کہ علمی اور تحقیقی معاملات پر ان کو جتنا عبور حاصل تھا اسی قدر ان کے رویے میں وزن و وقار بھی تھا۔ ہم نے انھیں کبھی کسی شہرت یا انعام کے پیچھے بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا اور ایک سچے عالم کی شاید یہی پہچان ہے۔ سہ ماہی "اردو ادب" کے اڈیٹر ڈاکٹر اسلم پرویز نے کہا کہ علوی صاحب کا مطالعہ علم اور ادب کے مختلف شعبوں پر بڑا بھرپور تھا، وہ جس موضوع پر بولنا شروع کرتے تو معلومات کا دریا بہاتے ہوئے چلتے تھے اور ان میں یہ شائستگی بھی تھی کہ جس نیاز مندی کے ساتھ وہ اپنے بڑوں سے پیش آتے تھے اتنا ہی احترام اپنے ہونہار شاگردوں اور اپنے سے قدرے کم عمر ادبی دوستوں کا بھی کرتے تھے۔ انجمن کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کہا کہ میں جے این یو آنے سے پہلے دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے وابستہ تھا اور وہاں علوی صاحب سے تقریباً روزانہ کی ملاقات تھی۔ کچھ دنوں وہ جامعہ کے شعبۂ اردو سے بھی وابستہ رہے اور میں تو رہتا بھی وہیں تھا اس لیے جامعہ ملیہ میں بھی ان سے اکثر ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔ علوی صاحب کو میں نے کبھی علمی موضوعات کے علاوہ کسی بھی ایسے موضوع پر گفتگو کرتے نہیں پایا جو دنیاداری سے متعلق ہو اسے ان کی بڑائی کہا جاسکتا ہے۔ اگر ان کے ہاں دنیاداری تھی بھی تو بس اسی حد تک کہ جب بھی ان کے گھر جائیے تو ادبی گفتگو کے ساتھ ساتھ خاطر تواضع بھی خوب کرتے تھے۔ دراصل ان کا تعلق ہی اس نسل سے تھا جو اب مفقود ہوتی جارہی ہے۔ آخر میں ایک منٹ کی خاموشی کے بعد یہ تعزیتی نشست برخاست ہوئی۔

(پریس ریلیز انجمن نے ۲۱رفروری کو جاری کی)

سائن بورڈز پر تلگو کے ساتھ اردو تحریر کی یقین دہانی

چیف منسٹر کرن کمار ریڈی سے سابق وزیر محمد علی شبیر کی نمائندگی

حیدرآباد (۱۳رفروری)۔ چیف منسٹر جناب کرن کمار ریڈی نے سابق ریاستی وزیر اقلیتی بہبود جناب محمد علی شبیر کو یقین دلایا کہ وہ دونوں شہروں حیدرآباد اور سکندرآباد میں سرکاری محکموں اور خانگی اداروں کے سائن بورڈز پر تلگو کے ساتھ اردو کی شمولیت کو یقینی بنانے کے لیے عہدیداروں کو ہدایت دیں گے۔ محمد علی شبیر نے آج چیف منسٹر سے ملاقات کی اور محکمۂ لیبر کے عہدیداروں کی جانب سے پرانے شہر میں دکانات پر کیے گئے دھاوؤں اور تلگو زبان میں سائن بورڈز کے سلسلے میں دکانداروں کو نوٹسوں کی اجرائی سے واقف کرایا۔ انھوں نے کہا کہ پرانے شہر میں جہاں تاجروں کی اکثریت تلگو زبان سے ناواقف ہے وہاں محکمۂ لیبر کی جانب سے تلگو زبان میں نوٹسیں حوالے کی گئیں۔ عوام نے ان سے شکایت کی ہے کہ لیبر ڈپارٹمنٹ کے عہدیداروں نے صرف تلگو کو لازمی قرار دینے کی ہدایت دی جب کہ اردو زبان میں سائن بورڈ کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ محمد علی شبیر نے کہا کہ محکمۂ لیبر کو ہدایت دی جانی چاہیے کہ ان تمام چندہ اضلاع میں جہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے سرکاری اور پرائیویٹ اداروں کے سائن بورڈز پر تلگو کے ساتھ اردو کو بھی لازمی طور پر شامل کیا جائے۔ سائن بورڈز کے سلسلے میں شروع کی گئی مہم میں اردو زبان میں بھی تحریر شامل کرنے کی ہدایت دی جانی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ پرانے شہر کے ساتھ ساتھ نئے شہر میں بھی کئی بڑے شاپنگ مالس اور سرکاری دفاتر کے سائن بورڈز سے اردو غائب ہے حالاں کہ اردو حیدرآباد میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ جب دارالحکومت حیدرآباد میں دوسری سرکاری زبان پر عمل آوری کا یہ حال ہو تو دیگر اضلاع میں کون پوچھے گا۔ چیف منسٹر نے اس سلسلے میں محکمۂ لیبر کے عہدیداروں کو ضروری ہدایات جاری کرنے کا یقین دلایا۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : قائم چاند پوری
مصنف : انجینئر محمد مسیح الدین (ملیگ)
ضخامت : ۳۲۷ صفحات
قیمت : ۴۰۰ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
شمشاد مارکیٹ
علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲، یوپی
تبصرہ نگار : سہیل عارفی

محمد مسیح الدین (ملیگ) پیشہ کے اعتبار سے ایک انجینئر ہیں۔ سرکاری اعلا عہدے سے سبکدوشی کے بعد ان دنوں تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف ہیں اور ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب 'قائم چاند پوری' ان کی تازہ تصنیف ہے، جسے انھوں نے گیارہ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

مصنف انجینئر محمد مسیح الدین نے قائم چاند پوری کے عہد اور زوال آمادہ مغلیہ عہد کا نقشہ اجمال کے ساتھ ہی کسی اس خوب صورتی سے پیش کیا ہے کہ پورا عہد آنکھوں کے سامنے گھر جاتا ہے۔

قصبہ چاند پور جو ضلع بجنور (یوپی) کا حصہ ہے اور دہلی سے قریب ہے، اس کے قرب و جوار کی تصویر بھی بڑے ہی خوب صورت انداز میں پیش کی گئی ہے۔ قائم چاند پوری کے فن پر مدلل بحث کرنے کے ساتھ ہی مصنف نے اردو کے مایہ ناز تنقید نگاروں کی آرا بھی پیش کی ہیں تاکہ اعتراف قائم چاند پوری میں کوئی دشواری نہ ہو۔ قائم چاند پوری کبھی دہلی تو کبھی چاند پور تو کبھی تصوف کے زیر اثر گوشہ نشیں رہے اور اس وجہ سے انھیں اردو شعر و ادب میں وہ مقام نہ حاصل ہو سکا جس کے وہ حقدار تھے۔ ان کے اشعار کی چمک دوسرے اساتذہ شعرا کے یہاں نظر آنا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی طور پر ان کے کلام سے اساتذہ نے بھی روشنی حاصل کی ہے۔

قائم چاند پوری نے غزلوں کے علاوہ رباعیات، قطعات اور نظمیں بھی کہی ہیں لیکن ان کا اصل جوہر ان کی غزلوں ہی میں کھل کر سامنے آسکا ہے۔ ان کی غزلوں میں روایت کی چمک اور حالات حاضرہ کی جھلک بجا طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ قائم چاند پوری اپنی طبیعت کی وجہ سے محفلوں سے دور رہے، اس لیے ان کی شناخت اس حیثیت سے ان کے زمانے میں نہ ہو سکی جس کی وہ خواہش رکھتے تھے لہٰذا ان کے یہاں شکوہ اور مایوسی بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

قائم چاند پوری کے کچھ ایسے اشعار پیش کیے جا رہے ہیں جن میں ان کی شاعری کے کئی رنگ نظر آئیں گے اور جو یہ تقاضا کریں گے کہ واقعی قائم چاند پوری کا مرتبہ دوسرے اساتذہ شعرا سے کم نہیں ہے۔

قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

گیا نہ یاں سے وہ سودائے زلف جوں مرگ
علیم دل میں ہوا گر دماغ سے نکلا

شاید کہ دل مرا بھی کہیں ہوئے اے نسیم
کوچے کی اس کے خاک تو تک چھان دیکھنا

ہم بھی ملاّ سے کچھ کریں گے شروع
آپ کس وقت مکتب آئیے گا

نہ پوچھو مجھ سے گلشن کی حقیقت
برس گزرے کہ میں ہوں اور قفس ہے

کر بھروسہ مرا نہ تو قائم
صبح کے وقت کا چراغ ہوں میں

کچھ کہ گور غریباں میں رکھیں قائم کو
کہ اس کا جیتے بھی اکثر وہی ٹھکانہ تھا

فقط شاعر نہیں ہم، بلکہ قائم!
ہمارا ایک ادنیٰ یہ بھی فن ہے

تو نا جو کعبہ کون سی یہ جائے غم ہے شیخ!
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

محفل وعظ تو تا دیر رہے گی قائم
یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

اس طرح کے اور بھی بے شمار اشعار قائم کے یہاں موجود ہیں جو انھیں ممتاز حیثیت عطا کرتے ہیں۔ انجینئر محمد مسیح الدین صاحب نے بڑی عرق ریزی سے ان کے کلام کا انتخاب کیا ہے اور ان کے احوال سے ہمیں روشناس کرایا ہے۔ امید کہ ان کی اس کتاب سے ایک بار پھر قائم چاند پوری کی طرف ہمارے ناقدین ادب رجوع کریں گے تاکہ قائم چاند پوری کا مقام متعین ہو سکے۔

۞۞۞

نام کتاب : غلام مرتضیٰ راہی حیات اور کارنامے
مصنف : ڈاکٹر حسن نظامی
ضخامت : ۳۳۲ صفحات
قیمت : ۲۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : شمشیر گر، جمریا دھنباد- 828111
تبصرہ نگار : ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری

ڈاکٹر حسن نظامی کا مطبوعہ تحقیقی مقالہ 'غلام مرتضیٰ راہی: حیات اور کارنامے' ایک قابل ستائش کارنامہ ہے۔ راقم نے اس وقیع مقالے کا مطالعہ اس لیے بھی کافی دل چسپی اور خاصے انہماک سے کیا ہے، کیوں کہ اس مقالے کی مابہ الموضوع کا تعلق سرزمین فتح پور سے ہے، جس کے گرد و گرد کے گہوارے آباد ہیں: ہندی اور اردو ادب کے پہلے شاعر ملا داؤد، سلیس اردو نگاری کے موجد منشی مہر چند کھتری، عالم گیر شہرت کے مالک علامہ نیاز فتح پوری، مشہور محقق و ناقد پروفیسر فرمان فتح پوری، قابل قدر تحقیق کار پروفیسر مظفر حنفی و لائق قدر محقق و شاعر پروفیسر ابو محمد سحر ہیں، جو راقم السطور کا بھی منتہا الراس ہے۔

راقم کی دانست میں فتح پور کی چار قدآور شخصیتیں ایسی ہیں جن پر جامعاتی سطح پر تحقیقی مقالے حوالہ قرطاس کیے گئے: (۱) علامہ نیاز فتح پوری (۲) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، (۳) ڈاکٹر مظفر حنفی اور (۴) مظہر اعظم غلام مرتضیٰ راہی۔ ان چاروں ممتاز ہستیوں میں آخرالذکر کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ انھوں نے فتح پور کو اپنا ملجا و ماوا بنائے رکھا اور اسی بنا پر موصوف فتح پور کے لیے نسبتاً زیادہ لائق افتخار ہیں۔

ڈاکٹر حسن نظامی نے اپنے محولہ بالا تحقیقی مقالے میں جو کچھ پیش کیا ہے اسے اچھی طرح چھان پھٹک کر اور تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر اچھی طرح کس کر پیش کیا ہے، ورنہ آج کل کے بیشتر تحقیقی مقالے لیپا پوتی اور گوند کے سہارے تیار کیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر حسن نظامی نے اپنی تحقیقی و تنقیدی کاوش کے دوران ریسرچ کے تحقیق کار کو مد نظر رکھا ہے۔ موصوف نے اپنے موضوع تحقیق کے بارے میں جو بھی رائے ظاہر کی ہے اس کی توثیق میں انھوں نے مستحکم و استوار دلائل پیش کیے ہیں اور اپنے نتائج فکر کی بنیاد اپنے موضوع تحقیق راہی کے اشعار پر رکھی ہے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ انھوں نے ناقدین راہی کی وقیع آرا کو اقدار نقد کے خراد پر چڑھانے کے بعد ہی قبول کیا ہے۔ اس کے علاوہ مقالہ نگار نے راہی کی بابت اپنے نظریے کی تائید راہی کی کاوشات شعری کے ساتھ ساتھ معاصرین راہی کے شعری سرمایے سے اخذ کی ہے۔

ڈاکٹر حسین نظامی نے اپنے مقالے میں راہی کی زندگی کے اہم گوشوں کو بھی اجاگر کیا ہے اور راہی کی سوانح سے متعلق ہر توجہ طلب بات کو محفوظ کر کے اپنی تحقیقی کاوش کے اس حصے کو بھی دستاویزی حیثیت عطا کر دی ہے، لیکن مقالے کے مطالعے کے دوران راقم کو یہ بات برابر کھٹکتی رہی کہ محولہ بالا محقق نے سوانح راہی کی یکجائی میں وہ رویہ نہیں اپنایا جو کلام راہی پر تنقید کے دوران اپنایا گیا ہے۔ راہی کی زندگی کے مختلف احوال و کوائف کی بازیافت میں عام طور پر ماخذ کی تسطیر کا اہتمام کم رکھا گیا ہے۔

زیر نظر تحقیقی مقالے میں کلام راہی کی تفہیم، اسے متعدد شقوں میں تقسیم کر کے کی گئی ہے۔ باب سوم میں اردو غزل کی روایت کی توضیح میں استیعاب سے کام لیا گیا ہے اور اس کے سیاق و سباق میں مقام راہی کے تعین کی قابل قدر کاوش کی گئی ہے۔

زیر بحث تحقیقی مقالے میں موصوف محقق نے اردو غزل کی روایت، جدید غزلوں کے تصور، راہی کی شاعرانہ سرشت، کلام راہی میں در آئی تشبیہات و استعارات کی انفرادیت، راہی کی شاعرانہ امیج، تمثال نگاری میں راہی کی مہارت اور معاصرین راہی کی شعری کاوشات کے ما بہ الامتیاز عناصر کو سامنے رکھ کر کلام راہی کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیر نظر مقالے میں کہیں کہیں مذکر و تانیث کے اغلاط ازقبیل "کینچے کا فرش ہے"، "اور کہیں کہیں محاورے کے تسامحات مثلاً صفحہ پر "تعریف و توصیف میں آسمان کے قلابے ملا دیے" جب کہ محاورہ "زمین آسمان کے قلابے ملانا" ہے۔ اس سلسلے میں ذوق کا شعر ملاحظہ ہو:

قلابے آسماں زمین کے ملاتے تو
اس صورت کے ملنے کی تاریخ بتا ملا

اسی طرح کہیں کہیں تکرار مضامین مثلاً صفحہ ۳۳ و صفحہ ۵۹ کے مندرجات دلکش و جاذب نظر چہرے پر تل کے مانند ہیں۔ جہاں تک مقالے کی لفظیات، لفظوں کے در و بست اور استعمال تراکیب کا سوال ہے، اس بابت ڈاکٹر حسن نظامی کی علمی لیاقت اور مبلغ علم لائق دید و قابل داد ہے۔ لفظیات کے نقطۂ ہائے نظر سے مقالہ اس قدر جاذب قلب و وجدان ہے کہ اس میں دریا کی سی روانی اور آئینے جیسا صاف ہے اور مقالے کے مطالعے کے دوران کسی قسم کا انقباض نہیں ہوتا۔

مجموعی طور پر مقالہ لائق تحسین ہے اور اس کا شمار پی ایچ ڈی کے مثالی مقالوں میں کیا جا سکتا ہے۔ مقالے کی کتابی شکل بھی صوری اعتبار سے دیدنی ہے۔

■■■

'ڈی فارم'
ہفتہ وار 'ہماری زبان'
نئی دہلی

۱- مقام اشاعت: اردو گھر ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
۲- وقفہ اشاعت: ہفت روزہ
۳- پرنٹر کا نام: شاہد خاں
شہریت: ہندوستانی
پتا: اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
۴- پبلشر کا نام: شاہد خاں
شہریت: ہندوستانی
پتا: اردو گھر- ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
۵- ایڈیٹر کا نام: اطہر فاروقی
شہریت: ہندوستانی
پتا: اردو گھر ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
۶- ان لوگوں کے نام جو اخبار کے مالک یا حصے دار ہیں یا ایک فیصد حصص کے مالک ہیں:
انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

"میں شاہد خاں تصدیق کرتا ہوں کہ اوپر دی گئی معلومات میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں"۔

شاہد خاں
(فروری ۲۰۱۳ء)
انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

بقیہ: کیا نقاد ادب کا غیر اہم آدمی ہے؟

اور سرمستی کا بیان ہے — لفظ کی کسوٹی زبان کی پرکھ اور معنی کا پیمانہ ہے۔ تنقید سے ادب میں گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا ہے ورنہ ہر قاری اپنی پسند، اپنے تجربے اور اپنے مطالعے کا زندانی بن جائے۔ تنقید رابطہ ہے قاری اور قاری کے بیچ، قاری اور فنکار کے بیچ اور نقاد اور فنکار کے درمیان۔ اپنی آخری شکل میں تنقید گفتگو ہے — اہل علم کی اہل علم سے، اہل دل کی اہل دل سے، خوش طبعی ہے یاروں کے بیچ، بے تکلفی ہے احباب کے درمیان، بحث و تکرار ہے ہم مشربوں سے، چھینا جھپٹی ہے مخالفوں سے، جھگڑا اور حنظل ہے حریفوں سے، آپ کچھ بھی کہیے، ادب میں ہنگامہ آرائی، چہل پہل اور گرما گرمی کی پہچان تنقید کے مزاج ہی پر قائم ہے۔

ماحصل کلام یہ کہ تنقید تخلیق کی نعلین بردار نہیں بلکہ ہم رکاب، ہم جلیس اور ہم سخن ہے۔ وہ تخلیق کی روح کی گہرائیوں میں اترتی ہے اور اس کے نہفتہ اسرار بے نقاب کرتی ہے۔ وہ اس کی ہر دھڑکن کو سنتی ہے، لطیف سے لطیف لرزشوں کو محسوس کرتی ہے اور عظیم ترین اڑانوں میں اس کے ساتھ محو پرواز ہوتی ہے۔ تنقید تخلیق کے اڑن کھٹولے کا پایہ پکڑ کر عظیم تخیل کے اندر لوک کی سیاحت کرتی ہے۔ اسی لیے بڑے فنکاروں کے نقاد بھی بڑے ہوتے ہیں۔ شیکسپیئر، دستوئسکی، فلابیر اور ایلیٹ کے نقادوں کا تفکر، علم، بصیرت اور ژرف نگاہی کا تجربہ شیکسپیئر کے ڈراموں اور ایلیٹ کی شاعری کے تجربے سے مختلف سہی، لیکن کم ہوش ربا، فکر انگیز اور بصیرت افروز ثابت نہیں ہوتا۔ بے شک تخلیقی تجربہ حسن ہے جو تنقید نہیں ہوتی۔ تخلیق کا تجربہ جمالیاتی ہے، تنقید کا دانشورانہ۔ لیکن خیال کا بھی اپنا حسن ہوتا ہے اور اظہار خیال کا بھی۔ دونوں مل کر تنقید کو وہ حسن اور شگفتگی عطا کرتے ہیں جو عموماً خشک کتابی اور مدرسانہ کتابوں میں نہیں ہوتی۔ تنقید چوں کہ عظیم فن پاروں اور فنکاروں سے تعلق رکھتی ہے اس لیے ان کے متعلق خیال آرائی کا اپنا ایک حسن ہوتا ہے جو اپنا حسن بیان لے کر آتا ہے۔

بے شک نقاد کو وہ بلند مقام حاصل نہیں ہوتا جو مثلاً غالبؔ اور اقبالؔ جیسے تخلیقی فنکاروں کو ہے۔ لیکن غالبؔ اور اقبالؔ کے مقابلے میں ان ہزاروں شاعروں کی بھی کیا اہمیت ہے جن کے دیوان قعر فراموشی میں پڑے ہوئے ہیں۔ انھیں تو یہ تسکین بھی حاصل نہیں جو نقاد کو حاصل ہوتی ہے کہ غالبؔ اور اقبالؔ کا مطالعہ کرنے والے لوگ اپنی مشکلات کو دور کرنے کے لیے یا شاعری کی تحسین و تفہیم کی خاطر یا ان کے خیالات اور تصورات کی گہرائیوں کا شعور حاصل کرنے کے لیے ان نقادوں کو بھی ضرور پڑھیں گے جو تحقیق نگاہ، وسیع مطالعہ اور طویل عرصے پر پھیلی ہوئی دانشورانہ ریاضت کا ثمر ہے۔ ادب کا مطالعہ نہ تو مشاعرے کی آہ اور واہ ہے نہ ریل گاڑی میں ناول کا پڑھنا۔ مطالعہ ذہن کی اعلا ترین سرگرمی ہونے کے سبب حرکی اور جدلیاتی ہے، فکر انگیز، بصیرت افروز اور معلومات افزا ہے۔ اسی لیے مطالعہ ایک مفکرانہ اور ناقدانہ عمل ہے۔ ایک نہیں ہزاروں پہلو ہیں غالبؔ کی زندگی، شخصیت اور شاعری کے جو زندگی بھر غالبؔ کے پرستار کو رہین شوق میں باندھے رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ آپ نے دیوان غالبؔ کو دو چار بار پڑھ لیا تو چھٹی ہو گئی، اسے تو آدمی زندگی بھر پڑھتا رہتا ہے اور ان مضامین اور کتابوں کو بھی جو غالبؔ پر لکھی جاتی ہیں کیوں کہ ہر نسل اور ہر ذہن اپنے میلان طبع کے مطابق غالبؔ کی نئی جہات اور نئی پہنائیوں کا انکشاف کرتا ہے۔ دیوان غالبؔ وہ سورج ہے جس کے ارد گرد غالبیات کے تابناک سیارے محو گردش ہیں اور یہ پورا سورج منڈل غالبؔ کے پرستار کی ذہنی فضاؤں میں مدام محو سفر رہتا ہے۔ لگ بھگ یہی عالم تمام بڑے فنکاروں کا ہے۔ فنکار آتا تو ہے تنہا درویش کی مانند اور دل کے کواڑ پر دستک دیتا ہے، لیکن خانۂ دل میں براجمان ہوتے ہی وہ درویشانہ جلوس شاہانہ میں بدل جاتا ہے۔ تخیلات کے جھاڑ فانوس روشن ہو جاتے ہیں اور جلسوں کی افکار و آرا سے سقف و بام گونج اٹھتے ہیں۔ اعلا تنقیدی کارناموں کی چمک تو ہمیشہ قائم رہتی ہے لیکن وہ تنقیدیں جو فرسودہ اور از کار رفتہ ہو جاتی ہیں وہ بھی بجھے ہوئے ستاروں کی مانند اپنی Orbit میں حرکت کرتی رہتی ہیں اور غالبؔ کی شعری کائنات کا سیاح اس پر بھی ایک نگاہ شوق ڈال لیتا ہے کہ اس بجھے ستارے پر بھی ایک بڑے فنکار کے تخیل کی روشنی کی چھوٹ پڑتی تھی۔

وہ جو بزعم خود خود کو تخلیقی فنکار سمجھتے ہیں انھیں جاننا چاہیے کہ معمولی اشعار اور افسانے ان ذرات کی مانند ہیں جو خلا میں روشن ہوئے بغیر ہی معدوم ہو جاتے ہیں۔ مالک رام نے غالبؔ کے کتنے شاگردوں اور ان کے کلام کا کھوج لگایا ہے۔ وہ لوگ تو غالبؔ کے سورج منڈل کا اتنا بھی حصہ نہیں جتنے کہ خود مالک رام ہیں۔ کون ہے جس نے ان شاعروں کے کلام کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہو جب کہ مالک رام نے جو لفظ بھی غالبؔ کے متعلق لکھا وہ غالبؔ کے چاہنے والوں کی آنکھ کا سرمہ بنا۔

تخلیق معجزہ ہوتی ہے، تنقید نہیں ہوتی۔ لیکن آرٹ کے معجزے جاہلوں کو نہیں دکھائے جاتے کہ انھیں تو شعبدوں سے بھی خیرہ کیا جا سکتا ہے۔ ادب اس معنی میں لوک لٹریچر سے زیادہ سوفسطائی ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقابل ایک ذہین، دراک، نستعلیق اور سوچتا ہوا ذہن چاہتا ہے۔ یہ ذہن اس قاری کا ہوتا ہے جو پیشہ ور نقاد نہ ہونے کے باوصف نقد و نظر کی صلاحیت سے متصف ہوتا ہے۔ دوسروں کے لیے مقبول عام لٹریچر کا نشہ کافی ہے۔ تنقید معجزہ نہیں ہوتی لیکن معجزوں کی شاہد اور مزشناس ہوتی ہے۔ تخلیق تنقید کی حاجت مند نہیں ہوتی لیکن وہ سخن ناشناسوں کی جنت کی بجائے سخن شناسوں کے عذاب دانش کی فضا میں جینا پسند کرتی ہے۔

تنقید تخلیق کے حضور منکسر اور حلیم ہوتی ہے کیوں کہ وہ آرٹ کے جادو کو پہچانتی ہے۔ تخلیق فطری طور پر تنقید کی حرف گیری کو پسند نہیں کرتی۔ تخلیقی فنکار کے نزدیک نقاد وہ آدمی ہے جو بطور فنکار کے ناکام ہوا ہے اور اس لیے پیشۂ نقد اختیار کیا ہے۔ نقاد شاہی حرم کا وہ خواجہ سرا ہے جو اختلاط کے سب گُر جانتا ہے لیکن خود کچھ کر نہیں سکتا۔ دراصل تنقید اس وقت تک دل آزاری سے بچ نہیں سکتی جب تک وہ مدح و تحسین کو اپنا شعار نہ بنائے لیکن اس صورت میں نقاد نیلام کرنے والا بن جاتا ہے جو ہر چیز کی تعریف کرتا ہے اور فنکاروں کو بھی وہ نقاد پسند نہیں آتا جو سب کے لیے ایک سی باتیں ایک ہی زبان میں کرتا ہے اور گھوڑوں اور گدھوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا ہے۔ جوہر شناسی نہ ہو تو تنقید دو کوڑی کی ہے اور جوہر شناسی فطری طور پر مذاق سخن کی شائستگی، بلند نظری، انتخابیت، عمدگی اور سوفسطائیت کو جنم دیتی ہے جو نقاد کی شخصیت کو مقبول عام فنکاروں کے مقابلے میں نسبتاً کم دل پسند بناتی ہے۔ صرف خلوص اور اپنی ذات سے ایمانداری ہی نقاد کو نخوت، دل آزاری، احساس برتری، عالمانہ پندار، حقارت، چڑچڑے پن اور اکڑفوں سے بچا سکتی ہے — اور اپنی ذات سے ایمانداری کا مطلب ہے اپنے اندر اس قاری کو زندہ رکھنا جو آرٹ کی جادوگری کا تماشا بچے کی حیرت زدہ آنکھ سے کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر نوع کے پوز سے احتراز کرنا — پوز چاہے علمیت کا ہو یا اکسپرٹ کا۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆

◆◆◆◆◆

اشاریہ ’ہماری زبان‘

جنوری تا دسمبر 2012

تیسری اور آخری قسط

وفیات

محمّد عارف خاں

متوفی	تاریخ وفات	شمارہ
امیر چند بہار	یکم دسمبر ۲۰۱۱ء	۲۲ تا ۲۸ رجنوری
محمد یعقوب اسلم	۲۰ ردسمبر ۲۰۱۱ء	// // //
تسکین زیدی	۵ رجنوری ۲۰۱۲ء	// // //
مسعودہ حیات	۵ ردسمبر ۲۰۱۱ء	// // //
شجاع خاور	۱۹ رجنوری ۲۰۱۲ء	یکم تا ۷ رفروری
بلراج ورما	۱۰ رجنوری ۲۰۱۲ء	// // //
عرفان عباسی	۳ رجنوری ۲۰۱۲ء	// // //
پروفیسر نصر غزالی	۳ ردسمبر ۲۰۱۱ء	// // //
مظہر امام	۳۰ رجنوری ۲۰۱۲ء	۱۵ تا ۲۱ رفروری
ایس. ایم. ظفر	۱۴ رجنوری ۲۰۱۲ء	// // //
پروفیسر شہریار	۱۳ رفروری ۲۰۱۲ء	یکم تا ۷ رمارچ
مسعود الظفر خاں	۲۷ رجنوری ۲۰۱۲ء	۸ تا ۱۴ رمارچ
پروفیسر صفی تبسم	۱۵ رفروری ۲۰۱۲ء	۱۵ تا ۲۱ رمارچ
مسلم انصاری	۱۹ رفروری ۲۰۱۲ء	// // //
ڈاکٹر قمر اعظم ہاشمی	۱۵ راپریل ۲۰۱۲ء	یکم تا ۷ رمئی
محمد امتیاز علی تاج	۷ راپریل ۲۰۱۲ء	// // //
دلکش آفریدی	۱۴ راپریل ۲۰۱۲ء	// // //
ایم. سلیم	۲۲ راپریل ۲۰۱۲ء	۸ تا ۱۴ رمئی
ہاشم حسن سعید	۵ رمئی ۲۰۱۲ء	یکم تا ۷ رجون
لطف اللہ خاں	۳ رمارچ ۲۰۱۲ء	// // //
مولانا امین الدین شجاع الدین	۷ رجون ۲۰۱۲ء	یکم تا ۷ رجولائی
مہدی حسن	۱۳ رجون ۲۰۱۲ء	۸ تا ۱۴ رجولائی
پروفیسر عابدہ سمیع الدین	جون ۲۰۱۲ء	// // //
ناز مانک پوری	۱۶ رجون ۲۰۱۲ء	۱۵ تا ۲۱ رجولائی
نجیب دانش	۲۳ راپریل ۲۰۱۲ء	// // //
ارشد علی خاں	۹ رجون ۲۰۱۲ء	// // //
نسیم احمد	۸ رجون ۲۰۱۲ء	// // //
ساحل سحری	۱۰ رجولائی ۲۰۱۲ء	۲۲ تا ۲۸ رجولائی
اشفاق محمد خاں	۵ رجولائی ۲۰۱۲ء	// // //
پروفیسر وہاب اشرفی	۱۵ رجولائی ۲۰۱۲ء	یکم تا ۷ راگست
ڈاکٹر شریف احمد	۲۰ رجولائی ۲۰۱۲ء	۸ تا ۱۴ راگست
سعید اختر	یکم جون ۲۰۱۲ء	۱۵ تا ۲۱ راگست
شفیق فاطمہ شعریٰ	۱۳ راگست ۲۰۱۲ء	۱۵ تا ۲۱ رستمبر
شاغل ادیب	۲۸ راگست ۲۰۱۲ء	۲۲ تا ۲۸ رستمبر
ہاجرہ مسرور	۱۵ رستمبر ۲۰۱۲ء	یکم تا ۷ راکتوبر
مظفر رزمی	۱۹ رستمبر ۲۰۱۲ء	۸ تا ۱۴ راکتوبر
حسن امام درد	۳۰ رستمبر ۲۰۱۲ء	۱۵ تا ۲۱ راکتوبر
صدیقہ بیگم	۲ راکتوبر ۲۰۱۲ء	// // //
ڈاکٹر ثاقب رضوی	۳۰ رستمبر ۲۰۱۲ء	۲۲ تا ۲۸ راکتوبر
رشیدہ بٹ	۵ راکتوبر ۲۰۱۲ء	یکم تا ۷ رنومبر
جاوید حبیب	۱۱ راکتوبر ۲۰۱۲ء	۱۵ تا ۲۱ رنومبر
سنیل گنگو پادھیائے	۲۳ راکتوبر ۲۰۱۲ء	// // //
مولانا غفران احمد	۱۹ رنومبر ۲۰۱۲ء	یکم تا ۷ ردسمبر
راحت الحسینی	۳ رنومبر ۲۰۱۲ء	// // //
دیویندر اسر	۲ رنومبر ۲۰۱۲ء	۸ تا ۱۴ ردسمبر
اندر کمار گجرال	۳۰ رنومبر ۲۰۱۲ء	۱۵ تا ۲۱ ردسمبر
پروفیسر شیث محمد اسماعیل اعظمی	۱۱، ۱۲ رنومبر ۲۰۱۲ء کی درمیانی شب	۲۲ تا ۲۸ ردسمبر
ہلال سیوہاروی	۱۵ رنومبر ۲۰۱۲ء	// // //
حسیب رہبر	۲۶ رنومبر ۲۰۱۲ء	// // //

***

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی- ۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
http://www.anjumantaraqqiurduhind.org